AUSTRALIAN JOURNAL OF HUMANITIES AND ISLAMIC STUDIES RESEARCH (AJHISR)
Vol.2, Issue 2, Jul-16 to Dec-16

PROPHET MUHAMMAD ﷺ AS A JUDGE

URDU – نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیتِ قاضی

Tanveer Huma Ansari
University of Sindh, Jamshoro, Pakistan

ABSTRACT:

Hazrat Muhammad ﷺ (c-571 -633) was sent as a messenger to guide all human beings. He, through his esteemed character and nobility, showed, the practical meaning of the Quran. One of the basic principal and purposes of the Quran is to elevate human dignity, morals, and peace. These are the values that Prophet Muhammad ﷺ encultured in the society and systems he guided his believers to live up to. The implementation of the law, which is a state responsibility, is an essential requirement for a just and peaceful society. In line with the very purpose of Islam, this is something that He provided us with the best examples of, as well. Like any other matter in our lives, implementation of law and justice is also something that we can find best examples of from the noble life of our beloved messenger Muhammad ﷺ. The prophet ﷺ,throughout his life, stood up for justice and opposed all forms of oppression. Indeed, Allah orders justice and good conduct and it is He who appointed our beloved messenger ﷺ as a judge to let the justice prevail. Allah says in Quran: "We sent our messengers with the clear signs and sent down the book and the balanced with them so that mankind might establish justice". (Quran: 57: 25). This article presents some of the glorious insights from the Seerah which highlight this role of our prophet and the best of examples we find from his noble life regarding the system of justice and fair-dealing. May Allah swt enable us follow His commands and injunctions communicated to us through the best of His creations, our master Muhammad ﷺ (May Allah send blessings on him and may his mention be exalted).

Key words: Justice, equality, tolerant, compassionate.

تعارف

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے انسانیت کی جانب بھیجے جانے والے انبیاء کرام کے سلسلے کے آخری نبی ہیں جن کو اللہ نے اپنے دین کی درست شکل انسانوں کی جانب پہنچانے کے لئے دنیا میں بھیجا۔ دین شریعت کے دائرے میں نبی جو کچھ بھی کہتا ہے ایک مؤمن کا فرض ہے کہ اس کی تکمیل میں چوں نہ کرے! اور خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، بہر صورت یہ یقین رکھے کہ وہ خیر ہی خیر ہے، سراپا حق ہی ہے۔ نبی کی یہ حیثیت خود اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہے، اس نے فرمایا:

وَمَا اَرسَلنَا مِن ر سُو لِ الاِ لِیُطَاعَ بِاِذنِ اللہِ۔[1]

"ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اس لئے بھیجا کہ اذن خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے"۔

پھر یہ اطاعت بھی صرف ظاہر کی حد تک نہ ہونی چاہئے بلکہ دل کی رضا کے ساتھ ہونی چاہئے[2]۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ساری انسانیت کے لئے ہدایت دینے والا اور رحمت والا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اور نبی ﷺ نے ہمیں ایک اسلامی نظام متعارف کرایا جس میں تمام لوگوں کے لئے انصاف کا حصول "قانون کا احترام "بنیادی انسانی حقوق، عزت و سر بلندی جیسے آفاقی عناصر سر فہرست ہیں۔ نبی ﷺ نے ایک ایسی دنیا جو ذات، پات، رنگ و نسل، زبان، قبیلہ اور اسی نوع کے دیگر اختلافات میں بٹی ہوئی ہو، سب انسانوں کو برابر قرار دے کر اسلام "عالمگیر انسانی اخوت "کا پیغام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قانونی حاکمیت اور اس کا نفاذ:

اللہ تعالیٰ کی قانونی حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قانونی ضابطے برتر قانون (سپریم لا) ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر اسلامی ریاست کا وجود عمل میں نہیں آسکتا۔ قرآن پاک میں آیا ہے:

اِتبِعُو ا مَا اُنزِلَ اِ لَیکُم مِن ربکُم وَ لاَ تَتبِعُو ا مِن دُونِہ اَولِیاءَ ؕ قَلِیلاَ مَا تَذَ کرُونَ۔[3]

"لوگو! اُس قانون کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔"

اسلامی نظام کی بنیاد اجتماعی عدل پر رکھی گئی ہے۔ عدل کے قیام کی صرف وہی صورت صحیح سمجھی جائے گی جس کی بنیاد احکام الٰہی پر رکھی گئی ہو۔

رسول اللہ ﷺ بحیثیت قاضی:

اللہ تعالیٰ کی عظیم المرتبت ذات انتہائی جامع ہے اور اس کی حاکمیت اس کائنات کی ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں بلکہ بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کو قاضی مقرر کیا ہے، مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

انا انزلنا الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰئک اللہ [4]

"(اے نبی ﷺ) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیاں اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو"۔

وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لاعدل بینکم [5]

"اور (اے نبی ﷺ) کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیاں عدل کروں"۔

فلا و ربک لا یومنون حتیٰ یُحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔ [6]

"پس (اے نبی ﷺ) تیرے رب کی قسم وہ ہر گز مومن نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسر و چشم قبول کر لیں"۔

یہ تمام آیتیں اس امر میں بلکل صریح ہیں کہ نبی ﷺ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کئے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے جج تھے۔ رسول ﷺ کو جو شخص اپنے دل میں بھی تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ کیا قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضور ﷺ رسول کی حیثیت سے قاضی نہ تھے بلکہ دنیا کے عام ججوں اور مجسٹریٹوں کی طرح آپ ﷺ بھی ایک جج یا مجسٹریٹ تھے[7]۔

رسول اللہ ﷺ بحیثیت حاکم و فرمانروا:

قرآن مجید اس صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حاکم فرمانروا تھے اور آپ کو یہ منصب بھی رسول ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا:

من یطع الرسول فقد اطاعَ اللہ [8]

"جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

ان الذین یُبایِعُونَ اللہَ۔ یَدُاللہِ فوقَ اَیدیھِم [9]

"(اے نبی) یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں"۔

وَمَا کَانَ لِمؤمِنٍ و لَا مُؤمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللہُ وَرَسُولُہ اَمراً اَن یکُونَ لَھُمُالخِیَرَۃُ مِن اَمرِھِم ؕ وَمَن یعصِ اللہَ وَرَسُولَہ، فَقَد ضَلَ ضَلٰلا مُبِیناً [10]

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ کب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسوک کی نافرمانی کی تو صریح گمراہ ہوا"۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بلکل واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ تھے۔ آپ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ یعنی محمد ﷺ خود ساختہ سربراہ نہی تھے یہ منصبِ رسالت اور قاضی کی حیثیت بھی اللہ ہی کی طرف سے تھی۔

عدل و انصاف:

عدل اسلامی نظامِ حیات کا ایسی خوبی ہے جو کسی اور نظامِ حیات میں اس خصوصیت و امتیاز سے نہیں ملے گا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عدالتوں نے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو عدالت میں طلب کیا، بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے

خلاف فیصلے بھی صادر فرمائے جن کو انہوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا بلکہ اسلامی عدالتوں کے ان عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں سے متاثر ہونے والے متعدد لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کرنے اور حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یُحبُ المقسطین [11]

"اور اگر آپ ان لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

ان اللہ یامُرُ بالعدل و لاحسان[12]

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت حکمران، قاضی یا ثالث پر عدل وانصاف کرنا فرض ہے۔ جس میں ذاتی پسند ناپسند کو دخل نہیں ہونا چاہیئے، خواہ وہ فیصلہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار دوست وغیرہ کے خلاف کیوں نہ ہو۔ نیز فریقین میں سے جو حق پر ہو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے اور کسی قسم کے دباؤ یا مصلحت کو قبول نہ کیا جائے۔ خواہ وہ فیصلہ سربراہ مملکت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اسلامی نظام عدل میں تمام انسان برابر ہیں، سربراہ مملکت اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔[13]

سربراہ مملکت تو کجا، دنیا میں سب سے عظیم ہستی سید الاولین والاخوین محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اور اسلام نے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس نظام عدل سے بالاتر نہیں سمجھا۔

(1) ایک دفعہ ایک موقع پر اپنے آپ ﷺ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا: میں اگر کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہے تو لے لے؟ صحابہ کرام میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے چھڑی ماری تھی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں، جب آپ نے مجھے چھڑی ماری تھی تو اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا جبکہ آپ کے جسم پر قمیص ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص اتار دی اور فرمایا کہ میں حاضر ہوں، نبی کریم ﷺ فرمایا کہ اب بدلہ لے لو تب وہ صحابی آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور بوسے لینے لگا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا مقصد یہ تھا۔[14]

(2) نبی کائنات کو اپنی صاحبزادی بہت محبوب تھیں، لیکن آپ نے عدل وانصاف کے قیام میں بطور خاص ان کی مثال دے کر یہ بات بیان فرمائی جو تاریخ کا ایک درخشندہ فرمان ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم جاری کر دیا۔ قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اس عورت کا جرم ثابت ہوا تو اس پر حد نافذ کی جائے گی اور ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جس سے ہمارے قبیلہ کی

بدنامی ہو گی اور ہم تمام قبائل میں رسوا ہو جائیں گے، چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ پاس سفارش کے لیے آپ کے محبوب ساتھی سیدنا اُسامہ بن زید بھیجا کہ اس عورت کا جرم معاف کر دیا جائے۔

جب سیدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق بات کی نے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُشفعُ فی حد من حدود اللہ تم قام فاختطب تم قال، انما اھلک الدین قبلکم انھم کانوا اذا اسرق فیھم الشریف ترکوہ و اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ (سرقت لقطعت یدھا) [15]

"تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: کیا تم پہلے لوگوں کی طرح اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو ؟ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ :اسی بات نے انہیں تباہ و برباد کر دیا کہ جب ان میں سے کوئی شریف آدمی چوری کر لیتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف (کمزور) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے اور میں اللہ کی قسم لے کر کہتا ہوں اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا"۔

(3) ایک موقع پر امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم اتنے زیادہ حق مہر کیوں مقرر کر رہے ہو، حالانکہ ان کے صحابہ نے بھی چار سو درہم یا اس سے کم حق مہر مقرر کیا، نبی کریم ﷺ نے بھی یہی کیا۔ اگر زیادہ حق مہر مقرر کرنا عزت و تکریم کا باعث ہوتا تو تم ان سے سبقت نہ لے جا سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر مقرر کیا ہو، یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اُتر آئے۔ ایک قریشی عورت کھڑی ہو گئی اور کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ عورتوں کا حق مہر مقرر کرنا چاہتے ہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! تو اس عورت نے کہا: کیا آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتیتُم احداھُن قنطارا فلا تاخُذوا منہُ شیا۔[16]

"خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا"۔

یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استغفار کیا اور کہا کہ ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے۔ دوبارہ منبر پر چڑھے اور فرمایا: میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ حق مہر دینے سے منع کیا تھا، اب جو جتنا چاہے، اپنے مال سے حق مہر دے سکتا ہے ایک روایت کے الفاظ ہیں:

(امراۃ اصابت و رجل اخطا)[17]

"عورت نے درستگی کو پالیا جبکہ مرد نے خطا کی ہے"۔

(4) اسلامی عدالتوں کا عدل و انصاف پر مبنی ایسا ہی ایک واقعہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیش آیا، جس میں سربراہ حکومت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بطور ایک فریق عدالت میں حاضر ہوئے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں ان کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا گیا جس کو انہوں نے برضا و خوشی قبول کر لیا۔

ہوایوں کہ ایک دن امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ گم ہوگئی، آپ نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی اور اس یہودی کو کہا کہ یہ میری زرہ ہے، فلاں دن گم ہوگئی تھی جبکہ یہودی نے مسلمانوں کے خلیفہ امیر المؤمنین سیدنا رضی اللہ عنہ کا دعویٰ درست ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ یہودی دونوں فیصلے کے لئے قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہودی کے پاس زرہ میری ہے جو فلاں دن گم ہوگئی تھی۔

قاضی نے یہودی سے پوچھا: آپ نے کچھ کہنا ہے۔

یہودی نے کہا: میری زرہ میرے قبضے میں ہے اور میری ملکیت ہے۔

قاضی شریح نے زرہ دیکھی اور یوں گویا ہوئے، اللہ کی قسم! اے امیر المؤمنین آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے۔ یہ زرہ آپ ہی کی ہے لیکن قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا آپ پر واجب ہے۔ قانون کے مطابق آپ گواہ پیش کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور گواہ اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ پھر آپ نے اپنے دو بیٹوں حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عدالت میں پیش کیا۔ انہوں نے بھی آپ کے حق میں گواہی دی۔ قاضی شریح نے کہا: میں آپ کے غلام کی گواہی تو قبول کرتا ہوں مگر ایک گواہ مزید درکار ہے، کیونکہ آپ کے حق میں آپ کے بیٹوں کی گواہی ناقابل قبول ہے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

(ان الحسن والحسین سیدا شباب اهل النجة)

"حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوجوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔"

قاضی شریح نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بالکل حق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو پھر آپ نے ان کی گواہی قبول کیوں نہیں کرتے؟

قاضی شریح نے کہا: یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں، یہ کہہ کر قاضی شریح نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ سنادیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔ یہودی نے تعجب سے کہا: مسلمانوں کا حکمران مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لایا اور قاضی نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا، اور امیر المؤمنین نے اس کا فیصلہ بلاچوں چراں قبول بھی کر لیا۔ واللہ یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے۔ پھر یہودی نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہنے لگا۔ امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے، فلاں دن یہ آپ کے اونٹ سے گرگئی تھی تو میں نے اسے اٹھالیا چنانچہ وہ یہودی اس عادلانہ فیصلے سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگیا۔[18]

حقوق اللہ اور حقوق العباد:

کچھ معاملات کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک پہلو حقوق اللہ کا اور دوسرا پہلو حقوق العباد کا ہوتا ہے، مثلاً چوری کی سزا میں یہ دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ اس میں بندے کا حق یہ ہے کہ اس کا مال ضائع ہوگیا اور اللہ کا حق یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے۔ حقوق اللہ کے تحت یہ ایک حد ہے اور حد کے

معاملات سارے کے سارے اللہ کے حقوق ہیں۔اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے پہلے معاف کردے، تو اس کو اجازت ہے۔ کسی کے گھر میں چوری ہوئی اور اس نے اسی وقت معاف کر دیا وہ معاف کر سکتا ہے، لیکن معاملہ جب ریاست کے نوٹس میں آگیا، یعنی ہمارے نظام کے تحت ایف آئی آر درج ہو گئی، عدالت میں شکایت دائر ہو گئی، تو پھر معافی کا اختیار کسی کو نہیں رہا۔[19]

(5) مسجد نبوی میں ایک صاحب آرام فرما رہے تھے، اور اس کے سر کے نیچے قیمتی چادر احتیاط سے رکھی تھی اور سو رہے تھے، ایک شخص آیا، اس نے چپکے سے ان صاحب کے سر کے نیچے سے چادر نکالی اور چل دیا۔ چادر کے مالک جو سو رہے تھے ان کو کچھ دیر کے بعد خیال آیا کے چادر موجود نہیں، باہر نکل کے دیکھا تو وہ شخص لے کر جا رہا تھا، اس کو پکڑ کر لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کی یہ چادر کس کی ہے ؟ اس نے اعتراف کیا کہ ان صاحب کی ہے اور میں نے چرائی ہے، اب شکایت کرنے والے صاحب بہت گھبرائے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ ! کیا میری چادر کی وجہ سے میرے بھائی کا ہاتھ کٹ جائے گا ؟ میں معاف کرتا ہوں اور یہ چادر اس کو ہدیہ کر دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "فھل لا قبل ان تاتی بہ" میرے پاس آنے سے پہلے معاف کیوں نہیں کیا ؟ آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور سزا نافذ فرمائی۔ اس سے یہ اصول نکلا کہ وہ حدود جس میں حقوق اللہ کا پہلو پایا جاتا ہو، ان میں اگر متاثرہ شخص عدالت اور ریاست کے نوٹس میں لانے سے پہلے پہلے مجرم کو معاف کر دے تو کر سکتا ہے۔ لیکن جب معاملہ ریاستی اداروں میں آجائے اس کے بعد کسی کو بھی معاف کرنے کا اختیار نہیں۔

اعتدال اور توازن:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہمیشہ معتدلانہ اور متوازن مزاج کی تلقین کی اور اس کو اپنی زندگی کا حصہ بھی بنایا اور صحابہ کو بھی اس رویہ کی ہدایت کی۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے:

(7) رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ پر تشریف فرما تھے، بعض صحابہ کرام مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں نے تو یہ سوچا ہے کہ میں پوری زندگی نماز پڑھتے ہوئے گزار دوں گا۔ میں نے ایک ویران جگہ تلاش کی ہے جو بڑی پرسکون ہے، میں وہاں جا کر بیٹھ جاؤں اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کوئی جنگلی پھل وغیرہ کھا لیا کروں گا اور پوری زندگی عبادت میں گزار دوں گا۔ ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ میرا ذوق تو یہ ہے کہ میں ساری زندگی روزے رکھوں گا اور ازدواجی زندگی سے لاتعلق ہو جاؤں گا۔ اس طرح مختلف باتیں مختلف حضرات نے آپس میں ایک دوسرے کو بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ باتیں سن رہے تھے۔ جب آپ باہر آئے تو پوچھا کہ باتیں کون لوگ کر رہے تھے۔ ان میں سے جو حضرات یہ باتیں کر رہے تھے انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ تم میں سے سب سے زیادہ شریعت کو جاننے والا میں ہوں۔ تم میں سب سے پہلے زیادہ تقویٰ کرنے والا اور اللہ کو یاد کرنے والا ہوں۔ اس مفہوم کے آپ ﷺ نے دو تین جملے ارشاد فرمائے، پھر فرمایا کہ میں ازدواجی زندگی بھی گزارتا ہوں۔ اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں۔ رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ میں دنیاوی معاملات میں بھی دلچسپی لیتا ہوں۔ میرا طریقہ یہ ہے جو میں نے اپنایا ہے۔ پھر آپ نے وہ بات فرمائی جو آپ نے اکثر نکاح کے خطبوں میں سنی ہوگی کہ "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، گویا اعتدال اور توازن پر آپ ﷺ نے اتنا زور دیا کہ اس سے ہٹ جانے والوں سے لاتعلقی تک ظاہر فرمائی اور اپنے صحابہ کرام کو جن میں وہ صحابی بھی شامل تھے، جو رسول اللہ ﷺ کو

انتھائی محبوب تھے، ان کو بھی آپ نے اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی زندگی صرف عبادت الٰہی کے لئے وقف کر دیں۔ عبادت کے لئے زندگی وقف کرنا اور زندگی کے دوسرے تقاضوں کو چھوڑ دینا، آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے طریقے کے خلاف قرار دیا اور اپنے طریقے کے خلاف کرنے والوں سے آپ نے لا تعلقی ظاہر فرمائی۔ اس لا تعلقی ظاہر فرمانے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ صحابہ کرام تو یقیناً اس کے تقاضے پورے کر لیتے، لیکن ان کے بعد آنے والے لوگ ان تقاضوں کو پورا نہ کر سکتے اور وہ انہی خرابیوں کا شکار ہو جاتے جن کا عیسائی راہب اور پادری شکار ہوئے اور جنھوں نے رہبانیت ایجاد کی۔[20]

یسر اور نرمی:

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں کوئی ایسی مشکل آئے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے۔ اگر کوئی ایسی مشکل پیش آجاتی ہے تو شریعت ہے اس سے نکلنے کا بھی راستہ بتا دیا ہے۔

(8) مثلاً ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ مسلمان رمضان میں روزے رکھیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے جس علاقہ میں روزوں کا حکم دیا تھا، وہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے علاقے میں ہے۔ وہ دنیا کے گرم ترین مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں اس زمانے سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے سے لے کر اب تک لوگ روزہ رکھتے چلے آرہے ہیں۔ گویا گرم سے گرم علاقے میں جہاں رات دن معتدل ہوں، انسان روزہ رکھ سکتا ہے اور شریعت کے اس حکم پر ہو سکتا ہے، لیکن بعض ایسے علاقے ہو سکتے ہیں یا ایسی صورت حال پیش آسکتی ہے کہ جہاں دن رات کی یہ مدت حد اعتدال سے بڑھ جائے، تو وہاں شریعت نے یُسر کے حکم پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے تھے کہ جب دجال کا فتنہ سامنے آئے گا تو ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور ایک دن ہفتے کے برابر ہوگا۔[21]

صحابہ کرام کو کسی چیز کے غیر ضروری پہلوؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی ان کو کسی چیز کے صرف مثبت اور عملی پہلوؤں سے دلچسپی ہوتی تھی۔ صحابہ کرام نے فوراً پوچھا کہ اس دور میں جب یہ صورت حال پیش آئے گی کہ ایک دن ایک سال اور دوسرا دن ایک مہینے اور تیسرا دن ایک ہفتے کا ہوگا تو ان دنوں میں نماز اور روزے کا حکم کیا ہوگا؟ کیا پورے سال کا روزہ رکھا جائے گا؟ کیا پورے مہینے کا روزہ رکھا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، "اقدروآلہ قدرہ" ان دنوں کا اندازہ اپنے دنوں سے کر لینا، جو ایک سال جتنا دن ہوگا تو اس کو نارمل دنوں پر تقسیم کر دینا، اسی کے حساب سے روزے رکھنا اور اسی کے حساب سے نماز پڑھنا۔ آج اسکینڈے نیویا کے ممالک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے لیکن مسلمان اس میں چھ مہینے کا روزہ نہیں رکھتے، مسلمان اپنے نارمل دن رات کے حساب سے اوقات کی تقسیم کرتے ہیں۔ اسی کے حساب سے روزے رکھتے ہیں یہ شریعت میں یُسر کی ایک مثال ہے۔[22]

نتائج:

رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے قاضی مقرر کئے گئے ہیں اور جو بھی فیصلے کرتے وہ قرآن کے مطابق کرتے جو اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں تو اس لئے قرآن کریم میں اطاعت رسول ﷺ کو جزو ایمان ٹھہرایا ہے۔ اطاعت رسول ﷺ میں ہی مسلمانوں کی ترقی و عروج کا راز مضمر

ہے۔آپ ﷺ نے فیصلہ کرنے میں ہمیشہ عدل،انصاف اور یسر ونرمی کا خیال رکھا۔جب تک مسلمانوں نے اطاعت رسول ﷺ کو لازم پکڑے رکھا ترقی کے منازل طے کرتے چلے گئے یہاں تک کہ بڑی حکومتیں ان کے سامنے گرتی چلی گئیں جوں کوئی اطاعت رسول ﷺ سے منہ موڑا تنزل اور ادبار کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔

حوالاجات:

---

[1] سورۃالنساء:آیت:64

[2] https://ur:wikipedia.org/wiki/#media/file:Muhammad-saw-copy-jpg

[3] سورۃالاعراف:آیت:3

[4] سورۃالنساء:آیت–105

[5] سورۃالشوریٰ:آیت:15

[6] سورۃالنساء:آیت:65

[7] ابواعلیٰ مودودی:سنت آئینی حیثیت خاکسار ابواعلیٰ،لاہور30جولائی1961ع،ص:46

[8] سورۃالنساء:آیت– 80

[9] سورۃالفتح:آیت– 10

[10] سورۃالاحزاب:آیت– 36

[11] سورۃالمایدہ:آیت– 15

[12] سورۃالنحل:آیت– 90

[13] محمد مصطفیٰ راسخ:سربراہانِ مملکت سے عدالتی بازپرس اور اسلام،http://:w.w.w.Islam today's needs ,Sunday 4th sep 2011

[14] السنن اکبریٰ ازامام بیعقی:(48)

[15] صحیح بخاری:3475مسلم:88ءاصلعم الحدؤائم اللہ لوان فاطمہ بنت محمد

[16] سورۃالنساء:آیت– 20

[17] شیخ عماالدین ابن کثیر،قصص الانبیاء،سیکنڈ ایڈیشن،2010:غلام مصطفیٰ مشتاق میمن پبلش بائے آزاد کمیونیکیشن کراچی سندیکا اکیڈمی کراچی۔

[18] حلیۃ الاؤلیاء ازابن الجوزی،کنزالعمال:رقم:(17796)

[19] محمود احمد غازی:محاضرات فقہ–ناشران وتاجران2005،کتب(غزالی سٹریٹ اُردو بازار لاھور)ص– 397

[20] ایضا:ص--145

[21] صحیح مسلم،کتاب الفتن واشراط الساعۃ:2937(7015)،سنن ابی داؤد کتاب الملاحم:4321،،سنن ابی ماجہ،کتاب الفتن:4075،سنن الترمذی،کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ :(2240)

[22] محمود احمد غازی:محاضرات فقہ–ناشران وتاجرات2005،کتب(غزالی سٹریٹ اُردو بازار لاھور):ص- 150